

# تفہیم القرآن

(۳)

البقرہ

(از رکوع ۱۵ تا رکوع ۲۳)

اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمت جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا، اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔ اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا، نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ کوئی سفارش ہی آدمی کو فائدہ دے گی، اور نہ بھرموں کو کہیں سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔

۱۔ یہاں سے ایک دوسرا سلسلہ تقریر شروع ہوتا ہے جسے سمجھنے کے لیے حسب ذیل امور کو بھی ملحوظ ذہن نشین کر لینا چاہیے:

(۱) حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیم پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے رگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت گھا کر اللہ کی اطاعت و فرماں برداری یعنی اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دی، پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں میں غیلہ مقرر کیے، شرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط کو شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت یحییٰ کو، اولاد عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو مامور کیا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام کعبہ جلالتی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

(۲) حضرت ابراہیم کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں ایک حضرت اسماعیل کی اولاد جو عرب میں رہی۔ قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔ اور جو عرب قبیلہ حضرت اسماعیل کی اولاد نہ تھے ربا آ، حاشیہ ص ۱۰۰ پر

دابقہ حاشیہ ص ۱۵۱) وہ بھی نہ کہ ان کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم و بیش متاثر تھے اس لیے اپنا سلسلہ انہی سے جوڑتے تھے۔ دوسرے حضرت اسحاق کی اولاد جن میں حضرت یعقوب، یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ اور ہیت سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے، اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، حضرت یعقوب کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لیے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان کی تبلیغ سے جن دوسری قوموں نے ان کا دین قبول کیا انھوں نے یا تو اپنی انفرادیت ہی ان کے اندر گم کر دی، یا وہ نسل تو ان سے الگ ہے، مگر مذہباً ان کے تابع ہے۔ اسی شرع میں جب پستی و تنزل کا دعویٰ آیا تو پہلے یہودیت پیدا ہوئی، اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔

(۳) حضرت ابراہیم کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے، اس کے لیے ہوئے علم کی پیروی کتے تھے، دنیا میں اس علم کو پھیلاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سب انسان مالک کائنات کے مطیع ہو کر رہیں۔ یہی خدمت تھی جس کے لیے وہ دنیا کے امام و پیشوا بنائے گئے تھے۔ ان کے بعد یہ امامت کا منصب ان کی نسل کی اس شاخ کو بلا جو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب سے چلی اور بنی اسرائیل کہلاتی۔ اسی میں انبیاء پیدا ہوتے رہے، اسی کو راہ راست کا علم دیا گیا، اسی کے پیرو یہ خدمت کی گئی کہ اس راہ راست کی طرف توام عالم کی رہنمائی کرے، اور یہی وہ نعمت تھی جسے اللہ تعالیٰ بلا بلا اس نسل کے لوگوں کو یاد دلانا ہے۔ اس شاخ کا مرکز بیت المقدس تھا اس لیے جب تک یہ شاخ امامت کے منصب پر قائم رہی بیت المقدس ہی دعوت الی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا۔

(۴) پچھلے دن رکوعوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے ان کی تاریخی فرد قرار داد مجرم اعدان کی وہ موجودہ حالت جو نزول قرآن کے وقت تھی بے کم و کاست پیش کر دی ہے اور ان کو یہ بتا رہا ہے کہ تم ہماری اس نعمت کی انتہائی ناقدری کر چکے ہو جو ہم نے تمہیں دی تھی، تم نے مرند ہی نہیں کیا کہ منصب امامت کا حق ادا کرنا چھوڑ دیا بلکہ خود بھی حق اور راستی سے پھر گئے، اور اب ایک بنیائے تھیل منہر صلح کے سوا تمہاری پوری امت میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔

(۵) اس کے بعد یہ بتایا جا رہا ہے کہ امامت ابراہیم کے لفظ کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ اس ہی اطاعت فرماں برداری کا پھل ہے جس میں ہمارے اس بندے نے اپنی ہستی کو گم کر دیا تھا، اور اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ابراہیم کے طریقہ پر چلیں اور دنیا کو اس طریقہ پر چلانے کی خدمت انجام دیں، چونکہ تم اس طریقہ سے ہٹ گئے ہو اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح

دابقہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱ پر

تھیں یاد ہے وہ واقعہ کہ ابراہیم کو اُس کے رب نے چند باتوں میں آزما یا تھا اور جب وہ ان سب

(۱۶) فیما بینہم منکلمۃ لکھو کہ جہنم میں اس کے غضب سے موزوں کیا جاتا ہے۔

(۱۷) ساتھ ہی انہوں نے اشاروں میں بھی بتا دیا کہ جو غیر شرعی تو ہیں سوئی اور عیسیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے حضرت  
ابراہیم کے ساتھ اپنا حق عبادت میں وہ بھی بڑی ہی ملوث تھے۔ نبی برائی ہے۔ نیز مشرکین عرب بھی جو ابراہیم و سولہ جہاں اسلام  
سے اپنے نفس پر فخر کرتے تھے انہیں نسل و نسب کے فخر کو بے بیخ میں اور ابراہیم و اسماعیل کے طریقے سے ان کو دور کا واسطہ بھی  
نہیں۔ لہذا ان میں سے بھی کوئی امت کا عمل نہیں۔

(۱۸) پھر ہاتھ خدا دھرتی ہے کہ ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ، بنی اسماعیل میں دوسرے رسول پیدا کیا  
جس کے لیے ابراہیم علیہ السلام اسماعیل نے دعا کی تھی، اس کا طریقہ وہی ہے جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب و دوسرے تمام پیام  
کا تھا۔ وہ اس کے ہر تمام ان پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں جو دنیا میں خدا کی طرف سے آئے ہیں اور انہی کی طرف  
ذبح کو بلاتے ہیں جس کی طرف تمام انبیاء دعوت دیتے پلے آتے ہیں۔ لہذا اب اس کے ساتھ صرف وہ لوگ ہیں جو اس رسول کی پیروی  
کریں۔

(۱۹) تبدیل اس کا حالان ہونے کے ساتھ ہی تصدیق اور توبہ کی تجدید کا اعلان ہونا بھی خود ہی تھا جب تک نبی نکلے  
کی امت کا نذر تھا اور اس کا تقدس کہ وہ خود خدا ہی تھا، اہل حق رہا اور خود نبی عربی علیہ السلام و اولاد کے پیرو بھی اس  
دعوت تک رہا اور اس کی کو توبہ بنائے ہے۔ مگر جب بنی اسرائیل اس منصب سے باخفا موزوں کیے گئے تو بیت المقدس کی  
مرکت آپ سے آپ ختم ہو گئی۔ لہذا حالان کر دیا گیا کہ اس دعا کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ جہاں سے اس رسول کی دعوت کا  
پہلا رسول ہے اور ختم کیا بتا رہا ہے بلکہ عیسایہ اسلام کی دعوت کا بھی یہی تھا اس لیے اہل کتاب وہ مشرکین، کسی کے لیے بھی تسلیم  
کرنے کے جو چاہے نہیں ہے کہ توبہ ہونے کا زیادہ ہی گہرے ہی کو پہنچا ہے، مٹ دھری کی بات دوسری ہے کہ وہ حق کو حق  
جانتے ہوئے بھی اعتراض کیے پلے جاتے۔

(۲۰) امت کو اللہ علیہ السلام کی امت دیکھ کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کھڑے کر دیے اور انہیں کھڑے  
بقیہ تک سلسلے میں اس کا وہ جزا بتا دی ہیں کہ پھر اس حال کو بڑھاتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۱۵۳) شہ قرآن میں مختلف مقامات پر ان تمام آیتوں کی تفصیل بیان ہوتی ہے جن سے گذر کر آتی ہیں۔

میں پورا اتر گیا تو اُس نے کہا میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا "اور کیا میری اولاد سے بھی ایسی وعدہ ہے؟ اُس نے جواب دیا "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔" اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکزِ اودان کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لیے گھڑا ہوتا ہے اُس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو، اور ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور عسکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔ اور یہ کہ ابراہیم نے دعا کی "اے میرے مالک! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے، اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔" جواب میں اُس کے رب نے فرمایا "اور جو نہ مانے گا، دنیا کی چند دفعہ زندگی کا سامان تو میں اُسے بھی دوں گا مگر آخر کار اُسے عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹوں گا، وعدہ بدترین ٹھکانا ہے۔"

دقیقہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳ حضرت ابراہیم نے اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کیا تھا کہ انہیں نبی نوع انسان کا امام دین بنا دیا جائے جس وقت سے حق اُن پر نکتہ ہوا اس وقت سے لے کر مرتد دم تک اُن کی پوری زندگی سلسلہ قربانی ہی قربانی تھی۔ دنیا میں چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے اُن میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو اور دنیا میں جتنے خطرات ایسے ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے اُن میں سے کوئی نظر ایسا نہ تھا جسے انہوں نے حق کی راہ میں نہ چھوڑا ہو۔

(حواشی صفحہ ۱۵۳) اے یعنی یہ وعدہ تمہاری اولاد کے صوف اُس حصے سے لعلق رکھتا ہے جو صلح ہو۔ اُن میں جو ظالم ہوں گے اُن کے لیے یہ وعدہ ہے کہ پاک رکھنے سے علاوہ صرف یہی نہیں ہے کہ کوئی کرکٹ سے اُسے پاک رکھ جائے بلکہ خدا کے گھر کی اہل پاکی سے کہ اس میں خدا کے سوا کسی کا نام بند نہ ہو جس نے خانہ خدا میں خدا کے سوا کسی دوسرے کو مالک، مجبور و حاجت ردا اور فریادوں کی اثیت سے پکارا ہے نہ حقیقت میں اُسے گنہگار دیا۔ یہ آیت ایک نہایت لطیف طریقہ سے مشرکین قریش کے جرم کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ ظالم ابراہیم و اسماعیل کے دل سے جو نئے پختہ کرتے ہیں مگر وراثت حق اور کرنے کے بجائے اُنہیں حق کو باہل کر رہے ہیں بلکہ جو خدا ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا اس سے جس طرح نبی اس کے متعلق جو گئے ہیں اسی طرح یہ بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۵۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب منصب امامت کے متعلق پوچھا تھا تو ارشاد ہوا تھا کہ اس منصب کی رباتی صفحہ ۱۵۳

اور یہ کہ ابراہیم اور اسماعیل جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: "اے ہمارے مالک! ہم سے یہ خدمت قبول فرمائے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے آقا! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھا جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اولاد کی زندگیاں سنوائے، تو بڑا مقدر اور حکیم ہے۔"

۶۵

اب وہ کون ہو گا جو ابراہیم کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کر لیا، اس کے سوا اور کون یہ حرکت کر سکتا ہے! ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں خاص اپنی خدمت کے لیے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہو گا۔ اس کا حال یہ تھا کہ جب اُس کے رب نے اُس سے کہا "مسلم ہو جا" تو اُس نے فوراً کہا "میں مالک کائنات کا مسلم ہو گیا۔" اسی طریقہ پر چلنے کی ہدایت اُس نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کر گیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۵) وعدہ تمہاری اولاد کے صرف مومن و صلح لوگوں کے لیے ہے، ظالم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے انہوں نے جب رزق کے لیے دعا کی تو سابق فرمان کو پیش نظر رکھ کر صرف اپنی مومن اولاد ہی کے لیے دعا کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جواب میں اس غلط فہمی کو فوری طور پر فرما دیا اور انہیں بتایا کہ امامت ہمارے اور چیز ہے اور رزق دینا دوسری چیز، امامت صرف مومنین صالحین کو ملے گی، مگر رزق دنیا مومن و کافر سب کو دیا جائے گا۔

(حواشی صفحہ ۱۵۵) یہ زندگی سنوارنے میں خیالات، اخلاق، عادات، معاشرت، تمدن، سیاست، غرض ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل تزکیہ کا مفہوم بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

تہ مسلم۔ وہ جو خدا کے آگے براہِ حاجت خم کرتے، جو خدا کو اپنا خدا مالک، آقا، حاکم اور معبود تسلیم کر لے، اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دے، اور اُس ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے جو خدا کی طرف سے آئی ہو۔ اس عقیدے (باقی صفحہ ۱۵۶ پر)

اس نے کہا تھا کہ ”میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا“  
پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے  
بیٹوں سے پوچھا ”بچو! میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟“ ان سب نے جواب دیا ”ہم اسی ایک اللہ کی  
عبادت کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگ ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق نے اللہ مانا ہے، اور ہم اسی کے  
مسلم ہیں۔“

یہ لوگ گذر گئے، جو کچھ انھوں نے حکمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم کھاؤ گے وہ تمہارے لیے ہے، تم  
سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

یہودی کہتے ہیں یہودی ہو تو راہ راست پاؤ گے۔ عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو تو ہدایت ملے گی۔  
اے نبی! ان سے کہہ دو ”ہم تو سب طریقوں کو چھوڑ کر ابراہیم کے طریقے کو لیتے ہیں، اور ابراہیم مشرکوں میں  
سے نہ تھا۔ مسلمانو! کہو کہ: ”ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم

(بقیہ صفحہ ۱۵۵) اور اس طرز عمل کا نام اسلام ہے اور یہی تمام انبیاء کا دین تھا جو ابتدائے آفرینش سے دنیا کے مختلف ملکوں  
اور قوموں میں آئے ہیں۔

۱۵۷ حضرت یعقوب کا ذکر خاص طور پر اس لیے فرمایا کہ نبی اسوئیل براہ راست انہی کی اولاد تھے۔

(حواشی صفحہ ۱۵۷) اللہ = مہیوں، مرکز پرستش، وہ جس سے دعائیں مانگی جائیں اور حاجتیں طلب کی جائیں، وہ جس کی پناہ  
ڈھونڈی جائے، وہ جسے نفع و نقصان کا مالک سمجھا جائے، وہ جو اپنے بالاتر اقتدار کی بنا پر اس کا متحقی ہو کہ انسان اس کی بزرگی  
و اطاعت کرے اور اس کے آگے اپنا عجز و نیاز پیش کرے۔

۱۵۸ یعنی اگرچہ تم ان کی اولاد ہو مگر حقیقت میں تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا نام لینے کا تم کو کیا حق ہے جبکہ تم ان  
کے طریقے سے پھر گئے؟ اللہ کے ہاں تم سے ان کے اعمال نہ پوچھے جائیں گے کہ پدرم سلطان بود کہہ کر چھوٹ جاؤ، بلکہ تم سے  
خود تمہارے اعمال پوچھے جائیں گے۔ اور یہ جو فرمایا کہ جو کچھ انھوں نے حکمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم کھاؤ گے وہ  
تمہارے لیے ہے، تو یہ قرآن کا خاص انداز بیان ہے۔ ہم جس چیز کو فعل یا عمل کہتے ہیں، قرآن اپنی زبان میں دہاتی صفحہ ۱۵۷ اپنا

اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم اللہ

(حواشی صفحہ ۱۵۶) اسے کسب یا کمانی کہتا ہے۔ ہمارا عمل اپنا ایک چھایا بڑا نتیجہ رکھتا ہے جو خدا کی خوشنودی یا ناراضی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ وہی نتیجہ بیماری کمانی ہے، اور چونکہ قرآن کی گاہ میں اصل اہمیت سی نتیجہ کی ہے اس لیے اکثر وہ ہمارے کاموں کو عمل و فعل کے الفاظ سے تعبیر کرنے کے بجائے کسب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔

۱۵۷ اس جواب میں دو باتیں آگئیں۔ ایک یہ کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں، یہودیت اپنے اس نام اولیٰ نبی مذہبی خصوصیات اور رسوم و قواعد کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی اور عیسائیت ابن عقائد اور مخصوص مذہبی تصورات کے مجموعہ کا نام ہے وہ تو حضرت مسیح کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے ہیں، اب یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے برسر ہدایت ہونے کا مدار یہودیت یا عیسائیت اختیار کرنے پر ہی ہے تو حضرت براہیم اور دوسرے انبیاء اور نیک لوگ جو ان مذہبوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے پیدا ہوئے تھے اور جن کو خود یہودی اور عیسائی بھی ہدایت یافتہ مانتے ہیں، وہ آخر کس چیز سے ہدایت پاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ یہودیت اور عیسائیت نہ تھی، لہذا یہ بات آپ کے واضح ہرگز انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا مدار ان مذہبی خصوصیات پر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ یہودی اور عیسائی وغیرہ مختلف فرقے بنے ہیں، بلکہ دراصل اس کا مدار اس عالمگیر ہر ایک مقیم کے اختیار کرنے پر ہے جس سے ہر زمانے میں انسان ہدایت پاتے رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خود یہود و نصاریٰ کی اپنی مقدس کتابیں اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت براہیم ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش، تقدیس، بندگی اور لاعلمت کے قائل نہ تھے، اور ان کا مشن ہی یہ تھا کہ خدائی کی صفات و خصوصیات میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، لہذا یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہودیت اور نصاریت دونوں اس راہ راست سے منحرف ہو گئی ہیں جس پر حضرت ابراہیم چلتے تھے، کیونکہ ان دونوں میں شرک کی آمیزش ہو گئی ہے۔

دعا ہے کہ ہم نے پیغمبروں کے درمیان تفریق نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان اس لحاظ سے فرق نہ کیا جائے کہ فلاں حق پر تھا اور فلاں حق پر نہ تھا، یا یہ کہ ہم فلاں کو مانتے ہیں اور فلاں کو نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے پیغمبر بھی آئے ہیں سب کے سب ایک ہی صداقت اور ایک ہی راہ راست کی طرف بلانے آئے ہیں، لہذا جو شخص صحیح معنی میں حق پرست ہو اس کے لیے تمام پیغمبروں کو برحق تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ جو لوگ کسی پیغمبر کو ملتے اور کسی کا انکار کرتے ہیں (باقی صفحہ ۱۵۸ پر)

کے مسلم ہیں۔

پھر اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو ہدایت پر ہیں، اور اگر اس سے منہ پھیریں تو کھلی بات ہے کہ وہ بٹ دھرنی میں پڑ گئے ہیں، لہذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلہ میں اللہ تمہاری حمایت کرے گا، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

کہو: اللہ کا رنگ اختیار کرو، اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا، اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں۔

اے نبی! ان سے کہو: کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی؟ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں، تمہارے اعمال تمہارے لیے، اور ہم تو بس اللہ ہی کے

(بقیہ صفحہ ۱۵۶) وہ حقیقت میں اس پیغمبر کے بھی پیرو نہیں ہیں جسے وہ ملتے ہیں، کیونکہ انہوں نے دراصل اس عالمگیر صراطِ مستقیم کو نہیں پایا ہے جسے حضرت موسیٰ یا عیسیٰ یا کسی دوسرے پیغمبر نے پیش کیا تھا، بلکہ وہ محض باپ دادا کی تقلید میں ایک پیغمبر کو مان رہے ہیں۔ ان کا اہل مذہب نسل پرستی کا تعصب اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے نہ کہ کسی پیغمبر کی پیروی۔

(دعوتی صفحہ ۱۵۶) اس آیت کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا۔ دوسرے یہ کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ مسیحیت ظہور سے پہلے یہودیوں کے ہاں یہ رسم تھی کہ جو شخص ان کے مذہب میں داخل ہوتا اسے غسل دیتے تھے اور اس غسل کے معنی ان کے ہاں یہ تھے کہ گویا اس کے گناہ دھل گئے اور اس نے زندگی کا ایک نیا رنگ اختیار کر لیا۔ یہی چیز بعد میں مسیحیوں نے اختیار کی جس کا اصطلاحی نام ان کے ہاں اصطبغ (بتسمہ) ہے، اور یہ اصطبغ نہ صرف ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو ان کے مذہب میں داخل ہوتے ہیں بلکہ بچوں کو بھی دیا جاتا ہے۔ اسی کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ اس رسمی اصطبغ میں کیا رکھا ہے۔ اللہ کا رنگ اختیار کرو جو کسی پانی سے نہیں چڑھتا بلکہ اس کی بندگی کا طریقہ اختیار کرنے سے چڑھتا ہے۔

تہ یعنی ہم ہی تو کہتے ہیں کہ اللہ ہی ہم سب کا رب ہے اور اسی کی فرمانبرداری ہونی چاہیے۔ کیا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے کہ اس پر ہم سے جھگڑا کرو؟



یہ اپنی بندگی کو خالص کر دینے والے لوگ ہیں۔ یا پھر کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ دبرائیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی تھے، یا نصرانی تھے، کہو، تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمہ اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اُسے چھپائے تمہاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں ہے۔ وہ کچھ لوگ تھے جو گذر چکے، ان کی کھائی اُن کے لیے تھی اور تمہاری کھائی تمہارے لیے، تم سے اُن کے اعمال کے متعلق سوال نہیں ہو گا!

۱۶

نادان لوگ ضرور کہیں گے، انہیں کیا ہو گا کہ پہلے یہ جس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اس سے

لہ یعنی تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو اور ہم اپنے اعمال کے۔ تم نے اگر اپنی بندگی کو تقسیم کر رکھا ہے اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی الٰہیت و ربوبیت کی صفات میں شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش اور اطاعت بجا لاتے ہو تو تمہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے، اس کا انجام خود دیکھ لو گے، مگر ہم نے تو اپنی بندگی، اطاعت اور پرستش کو بالکل اللہ ہی کے لیے خالص کر دیا ہے۔

لہ یہ خطاب یہود و نصاریٰ کے اُن جاہل عوام سے ہے جو واقعی اپنے نزدیک یہ سمجھتے تھے کہ یہ جلیل القدر انبیاء سب کے سب یہودی یا عیسائی تھے۔

لہ یہ خطاب اُن کے علماء سے ہے جو خود بھی اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے کہ یہودیت اور عیسائیت اپنی موجودہ خصوصیات کے ساتھ بہت بد میں پیدا ہوئی ہیں، مگر اس کے باوجود حق کو اپنے فرقوں میں محدود سمجھتے تھے اور عوام کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھتے تھے کہ انبیاء کے مدتوں بعد جو عقیدے جو طریقے، اور جو اجتہادی ضابطے اور قواعد ان کے فقہاء، صوفیہ اور مصلحین نے وضع کیے انھی کی پیروی پر انسان کی فلاح اور نجات کا مدار ہے۔ ان علماء سے جب پوچھا جاتا تھا کہ اگر یہی بات ہے تو حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب وغیرہ انبیاء علیہم السلام آخر تمہارے ان فرقوں میں سے کس سے تعلق رکھتے تھے، تو وہ اس کا جواب دینے سے گریز کرتے تھے کیونکہ ان کا علم انہیں یہ کہنے کی تو اجازت نہ دیتا تھا کہ ان بزرگوں کا تعلق ہمارے ہی فرقہ سے تھا۔ لیکن اگر وہ صرف لفاظی میں یہ مان لیتے کہ یہ انبیاء یہودی تھے نہ عیسائی تو پھر ان کی حجت ہی ختم ہو جاتی تھی۔

لہ قبلہ = وہ چیز جو آدمی کے منہ کے سامنے ہو اور جس کی طرف وہ متوجہ ہو۔ اصطلاح میں قبلہ سے مراد وہ جہت ہے جس کی

یہ ایک پھر گئے؛ لے نبی ان سے کہو مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمت وسط بنا دیا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

(بقیہ صفحہ سابق) طرف نوح کر کے آدمی نماز پڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد سو دہ یا سترہ ہیبتہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، پھر کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا جیسا کہ آگے آتا ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) سہ یہاں نادانوں کے اعتراض کا پہلا جواب ہے۔ ان لوگوں کے دماغ تنگ تھے، نظر محدود تھی ہمت اور مقام کے بندے بنے ہوئے تھے، ان کا گمان یہ تھا کہ خدا کسی خاص سمت میں مقید ہے۔ اس لیے سب پہلے ان کے جاہلانہ اعتراض کی تردید میں ہی فرمایا گیا کہ مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، کسی سمت کو قبلہ بنانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ اسی طرف ہے، جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے وہ اس قسم کی تنگ نظریوں سے بالاتر ہوتے ہیں ادا ان کے لیے عالمگیر حقیقتوں کے ادراک کی راہ کھل جاتی ہے۔

سہ یہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کا اعلان ہے۔ اسی طرح کا اشارہ دونوں طرف ہے، اللہ کی اُس رہنمائی کی طرف بھی جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول کرنے والوں کو سیدھی راہ معلوم ہوئی اور وہ ترقی کرتے گئے اس مرتبہ پہنچے کہ اُمت وسط قرار دیے گئے۔ اور تحویل قبلہ کی طرف بھی کہ نادان اسے محض ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف پھرنا سمجھ رہے ہیں حالانکہ دراصل بیت المقدس سے کعبہ کی طرف سمت قبلہ کا پھرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو دنیا کی پیشوائی کے منصب سے باضابطہ معزول کر کے اُمت محمدیہ کو اس پر فائز کر دیا۔

”اُمت وسط“ کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا، اس سے مراد ایک ایسا بہترین گروہ ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو اور دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو جس کا تعلق سب کے ساتھ کیساں حق اور راستی کا تعلق ہوتا ہے اور ناحق ناروا تعلق کسی سے نہیں ہوتا۔

پھر یہ جو فرمایا کہ تمہیں اُمت وسط اس لیے بنایا گیا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوز انسان کا اکٹھا حساب لیا جائے گا اس وقت رسول ہمارے (باقی صفحہ آئندہ پر)

پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ معلوم کرنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اٹھا پھر جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ معاملہ بڑا سخت تھا مگر ان لوگوں کے لیے

دعا شیعہ صحیحہ سابقہ، ذمہ دار نماندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا کہ فکر صحیح اور عمل صالح اور نظام عدل کی جو تعلیم ہم نے اُسے دی تھی وہ اُس نے تم کو بے کم و کاست پوری کی پوری نہ صرف پہنچا دی بلکہ عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا۔ اس کے بعد رسول کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہو گا اور یہ شہادت دینی ہو گی کہ رسول نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا وہ تم نے انہیں پہنچانے میں، اور جو کچھ رسول نے تمہیں دکھایا تھا وہ تم نے انہیں دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر نمر فرزا کیا جانا ہے، اور اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسول اس امت کے لیے خدا ترسی، راست روی، عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنا، اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بنا چاہیے حتیٰ کہ اس کے قول اور عمل اور برتاؤ ہر چیز کو دیکھ کر دنیا کو معلوم ہو کہ خدا ترسی اس کا نام ہے، راست روی یہ ہے، عدالت اس کو کہتے ہیں اور حق پرستی ایسی ہوتی ہے۔ پھر اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جس طرح خدا کی ہدایت ہم تک پہنچانے کے لیے رسول کی ذمہ داری برتنی تھی، حتیٰ کہ اگر وہ اس میں ذرا سی کوتاہی بھی کرتے تو خدا کے ہاں ماخوذ ہوتے، اسی طرح دنیا کے عام انسانوں تک اس ہدایت کو پہنچانے کی نہایت سخت ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، حتیٰ کہ اگر ہم خدا کی عدالت میں واقعی اس بات کی شہادت نہ دے سکیں کہ ہم نے تیری ہدایت جو تیرے رسول کے ذریعہ سے عین اپنی تھی تیرے بندوں تک پہنچا دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے تو ہم بہت بڑی طرح پکڑے جائیں گے، یہی امامت کا فخر ہے، وہاں لے ڈوبے گا، ہماری امامت کے دور میں ہماری برائیوں کو تا ہیوں کے سبب سے خیال اور عمل کی جتنی گریباں دنیا میں پھیلی ہیں اور جتنے نسا و اودفتے خدا کی زمین میں برپا ہوئے ہیں، ان سب کے لیے ائمہ شر اور شیاطین انس و جن کے ساتھ ساتھ ہم بھی ماخوذ ہوں گے اور ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب دنیا میں معصیت، ظلم اور گمراہی کا یہ طوفان برپا تھا تو تم کہاں رہ گئے تھے؟

اسے یعنی یہ بات کھل جائے کہ جاہلیت کے تعصبات اور خاک خون کی غلامی میں کون لوگ مبتلا ہیں اور کون ان بتوں سے آزاد ہو کر حقائق کا صحیح ادراک کرتے ہیں۔ ایک طرف اہل عرب اپنے وطنی نسلی فخر میں مبتلا تھے (باقی صفحہ آئندہ)

آسان ہو گیا جو اللہ کی ہدایت سے فیض یاب تھے۔ اللہ تعالیٰ اس ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا، یقین جانو کہ وہ تم لوگوں کے حق میں نہایت شفیق و رحیم ہے۔

یہ تھا سب سے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو، ہم اسی قبلہ کی طرف تھیں پھر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو، اب جہاں کہیں تم جو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

اور یہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی تھی، یہ خوب جانتے ہیں کہ قبلہ بدلنے کا حکم ان کے رب کی طرف سے

(بقیہ صفحہ سابق) اور عرب کے کعبہ کو چھوڑ کر باہر کے بیت المقدس کو قبلہ بنانا ان کی اس قوم پرستی کے بُت پرنا قابل برداشت ضرب تھا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل اپنی نسل پرستی کے غرور میں پھنسے ہوئے تھے اور اپنے آبائی قبلہ کے جو کسی دوسرے قبلہ کو برداشت کرنا ان کے لیے محال تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بُت جن لوگوں کے دلوں میں بسے ہوئے ہوں وہ اُس راستے پر کسی طرح نہ چل سکتے تھے جس کی طرف اللہ کا رسول نہیں بلارہا تھا۔ اس لیے اللہ نے ان بُت پرستوں کو سچے حق پرستوں سے الگ چھانٹ لینے کے لیے پہلے وہ قبلہ مقرر کیا تاکہ جو لوگ عربیت کے بُت کی پرستش کرتے ہیں وہ الگ ہو جائیں، پھر اُس قبلہ کو چھوڑ کر قبلہ بنایا تاکہ جو اسرائیلیت کے پرستار ہیں وہ بھی الگ ہو جائیں، اور صرف وہ لوگ رسول کے ساتھ رہ جائیں جو کسی بُت پرستار نہیں، محض خدا کے پرستار ہیں۔

(حواشی صفحہ ہذا) صلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے خود یہ محسوس فرمایا ہے تھے کہ بنی اسرائیل کی امامت کا دور اور بیت المقدس کی مرکزیت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اور اب کہ اسلام کی دعوت کا علم بلند کرنے کے لیے آل یعقوب کے بے تامل ہونے چاہیے تو اس دعوت کے لیے بیت المقدس کے بجائے کعبہ ہی موزوں مرکز ہو سکتا ہے، اس لیے آپ نہایت جہنمی کے ساتھ تحویل قبلہ کے حکم کا انتظار فرمایا ہے تھے۔ اسی معاملہ کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔

اللہ حرمت اور عترت دانی بجد اس سے مراد وہ عبادت گاہ ہے جس کے وسط میں خانہ کعبہ واقع ہے۔

لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی خواہ دینا کے کسی کونے میں ہو، اُسے بالکل ناک کی سیدھی کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا ہر وقت ہر شخص کے لیے ہر جگہ مشکل ہے۔ اسی لیے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے

(باقی صفحہ آئندہ پر)

بالکل بجا ہے، مگر اس کے باوجود جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ تم ان کے پاس خواہ کوئی نشانی لے آؤ ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلہ کی پیروی کرنے لگیں۔ اور نہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ ان کے قبلہ کی پیروی کرو، کیونکہ ان میں سے کوئی گروہ دوسرے کے قبلہ کی پیروی کے لیے تیار نہیں ہے پھر اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس اچھا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہو گا۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس قبلہ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، مگر ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔ یہ قطعی ایک مرتق ہے تمہارے

(حاشیہ صفحہ سابق) نہ کہ کعبہ کی میدھ میں۔ قرآن کی رو سے ہم اس بات کے لیے ضرور مکلف ہیں کہ حتی الامکان صحیح سمت کعبہ کی تحقیق کریں مگر اس بات پر مکلف نہیں ہیں کہ ضرور بالکل ہی صحیح سمت معلوم کریں جس سمت متعلق ہیں امکانی تحقیق سے ظن غالب حاصل ہو جائے کہ یہ سمت کعبہ ہے، اُدھر نماز پڑھنا یقیناً صحیح ہے اور اگر کہیں آدمی کے لیے سمت قبلہ کی تحقیق مشکل ہو یا وہ کسی ایسی حالت میں ہو کہ قبلہ کی طرف اپنی سمت قائم نہ رکھ سکتا ہو (مثلاً ریل یا کشتی میں)، تو جس طرف اسے قبلہ کا گمان ہو یا جس طرف رُح کرنا اُس کے لیے ممکن ہو اسی طرف وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اگر دوران نماز میں صحیح سمت قبلہ معلوم ہو جائے یا صحیح سمت کی طرف نماز پڑھنا ممکن ہو جائے تو نماز کی حالت ہی میں اُس طرف پھر جانا چاہیے۔

(حواشی صفحہ ۱۶۱) ۱۔ مطلب یہ ہے کہ قبلہ کے متعلق جو حجت و دلت یہ لوگ کرتے ہیں اس کا فیصلہ نہ تو اسی طرح ہو سکتا ہو کہ دلیل سے نہیں مطمئن کر دیا جائے، کیونکہ تعصب اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں اور کسی دلیل سے بھی اس قبلہ کو چھوڑ نہیں سکتے جسے یہ اپنے گروہ بندی کے تعصبات کی بنا پر پکڑے ہوئے ہیں۔ اور نہ اس کا فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم ان کے قبلہ کو اختیار کرو، کیونکہ ان کا کوئی ایک قبلہ نہیں ہے جس پر یہ سارے گروہ متفق ہوں اور اسے اختیار کرنے سے قبلہ کا جھگڑا چک جائے، مختلف گروہوں کے مختلف قبیلے ہیں، ایک کا قبلہ اختیار کر کے بس ایک ہی گروہ کو راضی کر سکو گے اور دوسروں کا جھگڑا بدستور باقی رہے گا۔ پھر سب بڑی بات یہ ہے کہ پیغمبر کی حیثیت سے تمہارا یہ کام ہی نہیں ہے کہ تم لوگوں کو راضی کرتے پھر دو اور ان کو بین جن جنہوں پر مصالحت کیا کرو، بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ جو علم ہم نے تمہیں دیا ہے سب سے بے پروا ہو کر صرف اسی پر محنت کے ساتھ قائم ہو جاؤ، اس سے بیٹ کر کسی کو راضی کرنے کی فکر کرو گے تو اپنے پیغمبر کی تعصب پر ظلم کر گے اور اُس سمت کی ناشکری کرو گے جو دنیا کا اہم بنا کر ہم نے تمہیں بخشی ہے۔

۲۔ یہ عرب کا محاورہ ہے جس چیز کو آدمی یقینی طور پر جانتا ہو اور اُس کے متعلق کسی قسم کا شک و استہبابہ (باقی صفحہ ۱۶۲ پر)

رب کی طرف سے لہذا اس کے متعلق تم ہرگز کسی شک میں نہ پڑو۔

ہر ایک کے لیے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے، تم بھلائیوں کا رُخ لاؤ اور نبی میں نہ سکو  
بازی لگانے کی کوشش کرو۔ جہاں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں پالے گا، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تمہارا  
گذر جس مقام سے بھی ہو وہیں سے اپنا رُخ تاز کے وقت مسجد حرام کی طرف پھیر دو کیونکہ یہ تمہارے رب کا  
بالکل برحق فیصلہ ہے اور اللہ تم لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اور جہاں سے بھی تمہارا گذر ہو اپنا  
رُخ مسجد حرام ہی کی طرف پھیرو اور جہاں بھی تم ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو تاکہ لوگوں کو تمہارے  
خلاف کوئی حجت نہ ملے۔ ہاں جو ظالم ہیں ان کی زبان کسی حال میں بند نہ ہوگی، تو ان سے تم نہ ڈرو  
بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور اس لیے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں گا اور اس توقع پر کہ میرے اس حکم کی  
پیروی سے تم اسی طرح فلاح کا راستہ پاؤ گے جس طرح میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک سے ل

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) نہ کہتا ہوں کہ وہ اس چیز کو ایسا پہچانتا ہے جیسا اپنی اولاد کو پہچانتا ہے یعنی جس طرح اسے اپنے بچوں کو  
پہچاننے میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اسی طرح وہ بلا کسی شک کے یقینی طور پر یہ بات جانتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں  
کے علماء حقیقت میں یہ بات بھی طرح جانتے تھے کہ بیت المقدس سے صدیوں پہلے جو گھر اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا تھا اور  
جسے حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں قبلہ اہل حق بنایا گیا تھا وہ یہی کعبہ تھا۔ اس تاریخی واقعہ میں ان کے لیے نہ براہری اشتباہ کی گنجائش  
تھی۔

حواشی صفحہ ۱۶۳) یعنی ہمارے اس حکم کی پوری پابندی کرو، کبھی ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی شخص مقررہ سمت کے سوا کسی دوسری  
سمت کی طرف نماز پڑھنے دیکھا جائے تاکہ کسی کو تم پر اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے کہ کیا خوب مسجد وسط ہے، کیسے اچھے حق پرستی  
کے گواہ بنے ہیں جو یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہ حکم ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے اور پھر اس کی خلاف ورزی بھی کیے جاتے ہیں۔  
انہ نعمت کے مراد وہی امامت و پیشوائی کی نعمت ہے جو بنی اسرائیل سے سلب کر کے اس امت کو دی گئی۔ دنیا میں ایک  
امت کی راست روی کا یہ انتہائی ثمرہ ہے کہ وہ اللہ کے امر شریعی سے اقوام عالم کی رہنما و پیشوا بنائی جائے اور نوح انسانی کو  
خدا پرستی اور نیکی کے راستے پر چلانے کی خدمت اس کے سپرد کی جائے۔ یہ منصب جس امت کو دیا گیا حقیقت میں اس پر اللہ کے  
فضل و انعام کی تکمیل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرما رہا ہے کہ تمہیں قبلہ کا یہ حکم وہاں اس منصب پر تمہاری (باقی صفحہ ۱۶۴) ہے

بھی اور وہ تمہیں میری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوا رہا ہے، تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ لہذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر ادا کرو، کفرانِ نعمت نہ کرو۔

۲۸

اے ایمان لانے والو! صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں نہیں مُردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔ اور ہم ضرور ہی تمہیں خوفِ محض، ناقہ کشی، جان و مال کے نقصانات و آزمانیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے، ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، انہیں خوشخبری دیدو، اُن پر اُن کے رب کی طرف بخیر عنایات ہوں گی اور اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی، اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

یقیناً صفا اور مردہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، لہذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سعی کرے، اور جو برضا و رغبت کوئی بھلائی کا

دقیقہ صفحہ ۱۶۴ سرفرازی کا نشان ہے، لہذا تمہیں اس لیے بھی اس حکم کی پیروی کرنی چاہیے کہ ناشکری و نافرمانی کرنے سے کہیں یہ منصب تم سے چھین نہ لیا جائے۔ اس کی پیروی کرو گے تو یہ نعمت تم پر مکمل کر دی جائے گی۔

۱۷ یعنی اس حکم کی پیروی کرتے ہوئے یہ امید رکھو۔ یہ شاہانہ اندازِ بیان ہے، بادشاہ کا اپنی شان بے نیازی کے ساتھ کسی نوکر سے یہ کہہ دینا کہ فلاں عنایتِ مہربانی کی امید رکھو، اس بات کے لیے بالکل کافی ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر خوشی کے شادیاں بجاوے اور اسے مساکین باور پائی جائے۔

دواش صوفیوں نے اس منصبِ سامت پر مامور کرنے کے بعد اہل سنت کو ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں، مگر تمام دوسری باتوں سے پہلے انہیں جس بات پر توجہ دینا چاہیے وہ یہ ہے کہ یہ کوئی پھولوں کا بستر نہیں ہے جس پر تم ٹٹائے جا رہے ہو بلکہ اس عظیم الشان خدمت کا بار اٹھانے کے ساتھ ہی تم پر تم کے مصائب کی بارش ہوگی، سخت آناشوں میں ڈلے جاؤ گے، طرح طرح کے نقصان اٹھانے پڑیں گے، اور جب مردِ ثبات اور عزم و استقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا (باقی صفحہ ۱۶۴)۔

کام کرے گا اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں درآن حالے کہ ہم نہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں ان کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

(تبقیہ صفحہ ۱۶۵) مقابلہ کرتے ہوئے خدا کی راہ میں بڑھے چلے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بدش ہوگی۔

۱۱ صفا اور مردہ مسجد حرام کے قریب پدپہاڑیاں ہیں جن کے درمیان دوڑنا مجملہ ان مناسک کے تھا جو اللہ تعالیٰ نے حج کے لیے حفرت ابراہیم کو سکھائے تھے۔ بعد میں جب مکہ اور اس پاس کے تمام علاقوں میں مشرکانہ جاہلیت پھیل گئی تو صفا پڑاسات اور مردہ پڑناطہ کے استھان بنایے گئے اور ان کے گرد طواف ہونے لگا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اسلام کی روشنی اہل عرب تک پہنچی تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ سوال کھٹکنے لگا کہ آیا صفا اور مردہ کی سعی حج کے اصلی مناسک میں سے ہے یا محض زمانہ مشرک کی ایجاد ہے؟ اور یہ کاس سعی سے کہیں ہم ایک مشرکانہ فعل کے ترکب تو نہیں ہو جائیں گے؟ لہذا کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے کے بعد فروری احکام و ہدایات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی خطہ فہمی کو دہ فرمایا اور مسلمانوں کو بتایا کہ یہ فعل حج کے ان مناسک میں سے ہے جو اللہ نے مقرر فرمائے تھے اور اس فعل کے کرنے سے تمہیں ہرگز یہ خوف نہ کرنا چاہیے کہ کسی گناہ کے ترکب ہو گے۔

دعاشی صفحہ ہذا) ۱۱ صفا یعنی بہتر توبہ ہے کہ یہ کام دی رغبت کے ساتھ کرو، ورنہ حکم بجالانے کے لیے تو کناہی ہوگا۔

۱۱ صفا اور مردہ مسجد حرام کے قریب پدپہاڑیاں ہیں جن کے درمیان دوڑنا مجملہ ان مناسک کے تھا جو اللہ تعالیٰ نے حج کے لیے حفرت ابراہیم کو سکھائے تھے۔ بعد میں جب مکہ اور اس پاس کے تمام علاقوں میں مشرکانہ جاہلیت پھیل گئی تو صفا پڑاسات اور مردہ پڑناطہ کے استھان بنایے گئے اور ان کے گرد طواف ہونے لگا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اسلام کی روشنی اہل عرب تک پہنچی تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ سوال کھٹکنے لگا کہ آیا صفا اور مردہ کی سعی حج کے اصلی مناسک میں سے ہے یا محض زمانہ مشرک کی ایجاد ہے؟ اور یہ کاس سعی سے کہیں ہم ایک مشرکانہ فعل کے ترکب تو نہیں ہو جائیں گے؟ لہذا کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے کے بعد فروری احکام و ہدایات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی خطہ فہمی کو دہ فرمایا اور مسلمانوں کو بتایا کہ یہ فعل حج کے ان مناسک میں سے ہے جو اللہ نے مقرر فرمائے تھے اور اس فعل کے کرنے سے تمہیں ہرگز یہ خوف نہ کرنا چاہیے کہ کسی گناہ کے ترکب ہو گے۔



جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا اور کفر کی حالت ہی میں جان ہی ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اسی لعنت زندگی کی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی اور نہ انھیں پھر کوئی دوسری جہالت دی جائے گی۔

۶۱۹

تمہارا لہ ایک ہی لہ ہے۔ اُس جہن اور حیم کے بوا کوئی اور لہ نہیں ہے۔ وہیں حقیقت کو پہچاننے کیلئے کوئی نشانی اور علامت دکھائی دے گی۔ بے توجہ لوگ عقل کو کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے سپہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اُس کے ذریعہ سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع و سربراہ بنا کر رکھے گئے ہیں۔

لہ کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔ اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں بولا جانے لگا۔ ایمان کے معنی ہیں ماننا، قبول کرنا، تسلیم کرنا۔ اس کے برعکس کفر کے معنی ہیں نہ ماننا، رد کر دینا، انکار کرنا۔ قرآن کی رو سے کفر کے رویہ کی مختلف صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ انسان سرے سے اللہ کے اقتدار اعلیٰ ہی کو تسلیم نہ کرے اور اس کو اپنا اور ساری کائنات کا الہ اور رب ماننے سے انکار کر دے، یا اُسے واحد الہ اور رب نہ مانے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کو تو مانے مگر اُس کے احکام اور اس کی ہدایات کو واحد منبع علم و قانون تسلیم کرنے سے انکار کر دے تیسرے یہ کہ مولانا اس بات کو بھی تسلیم کر لے کہ اُسے اللہ کی ہدایت پر چلنا چاہیے، مگر اللہ اپنی ہدایات اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے جن پیغمبروں کو واسطہ بناتا ہے، انھیں تسلیم نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبروں کے درمیان تفریق کرے، اور اپنی پسند یا اپنے نصیبات کی بنا پر اُن میں سے کسی کو ماننے اور کسی کو نہ مانے۔

پانچویں یہ کہ پیغمبروں نے خدا کی طرف سے عقائد، اخلاق اور قوانین حیات کے متعلق جو تعلیمات بیان کی ہیں اُن کو

بے شمار نشانیاں ہیں۔ مگر وحدت الہ پر دلالت کرنے والے ان کھلے کھلے آثار کے ہوتے ہوئے بھی، کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل بناتے ہیں اور ان کے

(بقیہ صفحہ ۱۶۷) یا ان میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرے،

چھٹے یہ کہ نظری طور پر تو ان سب چیزوں کو مان لے مگر عملاً احکام الہی کی دانستہ نافرمانی کرے اور اس نافرمانی پر پھرا کر کرتا ہے۔

یہ سب مختلف روئے اللہ کے مقابلہ میں بغاوت کے روئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک روئے کو قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے اور بعض مقامات پر قرآن میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جو شکر کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعمت جس نے دی ہے انسان اس کا احسان مند ہو، اس کے احسان کی قدر کرے، اس کی دی ہوئی نعمت کو اسی کی رضا کے مطابق استعمال کرے، اور اس کا دل اپنے عمن کے لیے وفاداری کے جذبہ سے بہنر ہو۔ اس کے مقابلہ میں کفر یا کفرانِ نعمت یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنے عمن کا احسان ہی نہ مانے اور اسے اپنی قابلیت یا کسی غیر کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے، یا اس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اسے ضائع کرے، یا اس کی نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرے، یا اس کے احسانات کے باوجود اس کے ساتھ غدا اور بے وفائی کرے۔ اس نوع کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی، ناک حسانی، غداری اور ناشکرے پن کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صاف صاف ہذا، یعنی اگر انسان کائنات کے اس کارخانے کو جو شب و روز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، محض جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے اور صدیاں تعمیر سے آزاد ہو کر سوچے تو یہ آثار جو اس کے مشاہد میں آ رہے ہیں اسے اس نتیجہ پر پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ عظیم نشان نظام ایک ہی قادرِ مطلق حکم کے زیر فرمان ہے، تمام اختیار و اقتدار بالکل اسی ایک کے ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کی خود مختار نہ مداخلت یا شراکت کے لیے اس نظام میں ذرہ برابر کوئی گنجائش نہیں، ہمدانی الحقیقت ہی ایک خدا تمام موجودات عالم کا الہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسری ہستی کسی قسم کے اختیارات رکھتی ہی نہیں کہ اہمیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔

یعنی جو صفات اللہ کے یہ خاص ہیں ان میں سے بعض کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور جو حقوق اللہ کے ہیں ان میں سے بعض یا تمام حقوق ان کو دیتے ہیں مثلاً سلسلہ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریاد دہی،

ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہوتی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ کاش جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر سوچتے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوچ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں، اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔ جب وہ سزا دے گا اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہی پیشوا اور رہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی اپنے پیروں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے، مگر سزا پا کر رہیں گے اور ان کے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا، اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے، کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری

(بقیہ صفحہ ۱۶۸) دعائیں سنا اور حنیف شہادت ہر چیز سے واقف ہونا یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ بندے اسی کو مقتدر اعلیٰ مانیں، اسی کے آگے اعتراف بندگی میں سر جھکائیں، اسی کی طرف اپنی حاجتوں میں رجوع کریں، اسی کو مدد کے لیے پکاریں، اسی پر بھروسہ کریں، اسی سے امیدیں وابستہ کریں اور اسی سے ظاہر و باطن میں ڈریں۔ اسی طرح مالک الملک ہونے کی حیثیت سے یہ بات بھی اللہ ہی کے لیے خاص ہے کہ اپنی رعیت کے لیے حرام و حلال کے حدود مقرر کرے، ان کے فرائض اور حقوق معین کرے، ان کو امر و نہی کے احکام دے، اور انہیں یہ بتائے کہ اس کی دی ہوئی قوتوں اور اس کے بخشے ہوئے وسائل کو وہ کس طرح کن کاموں میں کن مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ اور یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ بندے اس کی حاکمیت تسلیم کریں، اس کو منہج قانون مانیں، اس کو امر و نہی کا مختار سمجھیں، اپنی زندگی کے معاملات میں اس کے حکم کو فیصلہ کن قرار دیں، اور ہدایت و رہنمائی کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔ جو شخص ان صفات میں سے کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے، اور ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اسے اللہ کا مد مقابل اور اس کا ہمسر بنا تا ہے۔ اور اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ ان صفات میں سے کسی صفت کا مدعی ہے اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہے وہ دراصل خدا کا مد مقابل اور ہمسر بنا تا ہے خواہ زبان سے اس کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔

(حاشیہ صفحہ ۱۶۸) لہ یعنی ایمان کا اتقنا یہ ہے کہ آدمی کے لیے اللہ کی رضا پر دوسرے کی رضا پر مقدم ہو (باقی صفحہ ۱۷۰ پر)

ظاہر کر رہے ہیں ہم ان سے بیزار ہو کر دکھائیے۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کہتے ہیں ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور شہیمانوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر ان سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

۴۲۰

لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو۔ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، تمہیں بدی اور فحش کا حکم دیتا ہے اور یہ کھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں۔

ان سے جب کہو کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟ یہ لوگ جنہوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنے سے انکار کر دیا ہے ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے چرواہا

(تفسیر صفحہ ۱۶۹) اور کسی چیز کی محبت بھی انسان کے دل میں یہ مرتبہ اور مقام حاصل نہ کرے کہ وہ اللہ کی محبت پر اسے قربان کر سکتا ہو۔

(حواشی صفحہ ۱۶۹) یہاں خاص طور پر گمراہ کرنے والے پیشواؤں اور لیڈروں اور ان کے نادان پیروں کے انجام کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ جس غلطی میں مبتلا ہو کر کچھلی منیں بھٹک گئیں اس سے مسلمان ہشیار رہیں اور دہروں میں تیار نہ بنیں اور غلط دہری کرنے والوں کے پیچھے چلنے سے بچیں۔

۱۔ یعنی کھانے اور پینے کے معاملہ میں صحتی پابندیاں تو ہات اور جاہلانہ رسوم کی بنا پر لگ گئی ہیں ان سب کو توڑ دو۔  
 ۲۔ یعنی ان اوہام و رسوم اور حدود و قیود کے متعلق یہ کہنا کہ یہ سب مذہبی امور ہیں جو خدا کی طرف سے تعلیم کیے گئے ہیں، حالانکہ تمہارے پاس کوئی مستند ذریعہ یہ معلوم کرنے کا نہیں ہے کہ وہ واقعی خدا کی طرف سے ہیں، دھال شیطانی خوار کا کرشمہ ہے۔  
 ۳۔ یعنی ان پابندیوں کے لیے ان کے پاس کوئی سند اور کوئی حجت اس کے سوا نہیں ہے کہ باپ دادا کو یہی پورا چلا آیا ہے اور وہ اس حق یہ سمجھتے ہیں کہ کسی طریقہ کی پیروی کے لیے یہ حجت بالکل کافی ہے۔

جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ پہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، ذرا عقل سے کام نہیں لیتے۔

اے ایمان لانے والو! اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے کہ مرد لڑ نہ کھاؤ، خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو، اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے

سلطہ اس تخیل کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ ان لوگوں کی حالت ان بے عقل جانوروں کی سی ہے جن کے گلے اپنے اپنے چرواہوں کے پیچھے چلے جاتے ہیں اور بغیر مجھے بوجھے ان کی صداؤں پر حرکت کرتے ہیں۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کو دعوت و تبلیغ کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا جانوروں کو پکارا جا رہا ہے جو فقط آواز سنتے ہیں مگر کچھ نہیں سمجھتے کہ کہنے والا ان سے کیا کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ ایسے جامع استعمال فرمائے ہیں کہ یہ دونوں پہلو ان کے تحت آجاتے ہیں۔

سلطہ یعنی اگر تم اللہ ہی کے فرمان کے پابند ہو چکے ہو تو پھر جاہلیت کے زمانہ کی تمام وہ پابندیاں جو پنڈتوں اور پڑھتوں نے، رتیوں اور پادریوں نے، جوگیوں اور راہبوں نے اور تھائے سے باپ دادا نے قائم کی تھیں انہیں توڑ دو اور جن جن چیزوں کو اللہ نے حلال کیا ہے انہیں بغیر کسی کراہت اور کاوٹ کے کھاؤ پیو۔ اسی مضمون کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ من صلی صلواتنا واستقبل قبلتنا واکل ذمیختنا فذلک المسلم الامینی جس نے وہی نماز پڑھی جو ہم پڑھتے ہیں اور اسی قبلہ کی طرف رخ کیا جس کی طرف ہم کرتے ہیں اور ہمارے ذبحہ کو کھایا وہ مسلمان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے اور قبلہ کی طرف رخ کرنے کے باوجود ایک شخص اس وقت تک سلام میں پوری طرح جذب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ کھانے پینے کے معاملہ میں پچھلی جاہلیت کی پابندیوں کو توڑ نہ دے اور ان توہمات کی بندشوں سے آزاد نہ ہو جائے جو جاہلیت نے قائم کر رکھی تھیں کیونکہ اس کا ان پابندیوں پر ستائم رہنا اس بات کی علامت ہے کہ بھی تکس کی رگے پے میں جاہلیت کا زہر موجود ہے۔

اس آیت کا مقصد حرام چیزوں کی فہرست بیان کرنا نہیں ہے جو شریعت الہی میں منہر و ٹھہرائی گئی ہیں، بلکہ جاہلیت کے توہمات کی تردید مقصود ہے۔ یعنی ان سے یہ ارشاد ہوا ہے کہ تم نے اپنے مذہبی توہمات کی رو سے جن چیزوں کو منہر ٹھہرا رکھا ہے وہ منہر نہیں ہیں بلکہ یہ ہیں۔

سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدوں پر انھیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ہرگز ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انھیں پاکیزہ ٹھیرائے گا، بلکہ ان کے لیے تو دردناک سزا

۱۷ اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت پر بھی ہوتا ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر کے پکایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جانور ہو یا غلہ یا اور کوئی کھانے کی چیز اس کا مالک دراصل اللہ ہے اور اللہ ہی نے وہ ہم کو عطا کیا ہے، لہذا اعترافِ نعمت یا صدقہ یا نذر و نیاز کے طور پر اگر کسی کا نام ان چیزوں پر لیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کا نام ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا نام لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا خدا کے ساتھ اس کی بالائے ترسیلی تسلیم کر رہے ہیں اور اسکو بھی منعم سمجھتے ہیں۔

۱۸ اس آیت میں حرام چیز کے استعمال کرنے کی اجازت میں شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو مثلاً بھوک یا پیاس سے جان پر بن گئی ہو یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو اور اس حالت میں حرام چیز کے سوا اور کوئی چیز دسترس نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون کو توڑنے کی خواہش دل میں موجود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کیا جائے، مثلاً حرام چیز کے چند تھمے یا چند قطرے یا چند گھونٹ اگر جان بچا سکتے ہوں تو ان سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ ہو۔

۱۹ مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں میں یہ جتنے غلط توہمات پھیلے ہیں اور باطل رسموں اور بے جا پابندیوں کی جو نئی نئی شروعاتیں بن گئی ہیں ان سب کی ذمہ داری ان علماء پر ہے جن کے پاس کتابِ نبوی کا علم تھا مگر انھوں نے عامہ خلایق تک اس علم کو نہ پہنچایا اور جب لوگوں میں غلط طریقے رواج پانے لگے تو اس وقت بھی وہ ظالم منہ میں گھنگیں ڈالنے بیٹھے تھے، بلکہ ان میں سے بہتوں نے خود اپنا فائدہ اس میں دیکھا کہ کتابِ اللہ کے احکام پر باقی صفحہ ۷۳ پر

مقرر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب مول لے لیا۔ کیسا عجیب ہے ان کا حوصلہ کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے کے لیے تیار رہیں! یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ نے تو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی مگر جن لوگوں نے کتاب میں خلتا تھا نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دور نکل گئے۔

۱۲۱

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور یوم آخر اور ملائکہ اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے، اور اللہ کی محبت میں اپنے دل پسند مال کو رشتہ داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر، اور غلاموں کی ربانی پیر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کا وقت آئے یا حق و باطل کی جنگ ہو تو اس میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ منتقی ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۷۲ پر دہی پڑا ہے۔)

۱۷۲۔ یہ دراصل ان پیشواؤں کے جھوٹے دعووں کی تردید اور ان غلط فہمیوں کا رد ہے جو انہوں نے عام لوگوں میں اپنے متعلق پھیلا رکھی ہیں۔ وہ ہر ممکن طریقہ سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگ بھی ان کے متعلق ایسا ہی گمان رکھتے ہیں کہ ان کی ہمتیاں بڑی ہی پاکیزہ اور مقدس ہیں اور جو ان کا دامن گرفتہ ہو جائیگا اس کی سفارش کر کے وہ اللہ کے ہاں اسے بخشوا لیں گے۔ جواب میں اللہ فرماتا ہے کہ ہم انہیں ہرگز منہ نہ لگائیں گے اور نہ انہیں پاکیزہ قرار دیں گے۔

۱۷۳۔ (حاشیہ صفحہ ۱۷۲) ۱۷۳۔ مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنے کو تو محض بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے، ورنہ دراصل مراد یہ ہے کہ مذہب کی چند ظاہری رسموں کو ادا کر دینا اور صرف ضابطہ کی خانہ بڑی کے طور پر چند مقررہ مذہبی اعمال انجام دے دینا، اور تقویٰ کی چند معروف شکلوں کا مظاہرہ کر دینا وہ حقیقی نیکی نہیں ہے جو اللہ کے ہاں وزن اور قدر رکھتی ہے۔

اسے ایمان لانے والو! تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزادی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اُس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو تو معروف طریقہ کے مطابق خونہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور

سلہ قصاص = بدلہ۔ یہ کہ آدمی کے ساتھ وہی کیا جائے جو اُس نے دوسرے آدمی کے ساتھ کیا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قاتل نے جس طریقہ سے مقتول کو قتل کیا ہو اسی طریقہ سے اس کو قتل کیا جائے، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جان لینے کا جو فعل اُس نے مقتول کے ساتھ کیا ہے وہی اُس کے ساتھ کیا جائے۔

۱۷ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک قوم یا قبیلہ کے لوگ اپنے مقتول کے خون کو جتنا قیمتی سمجھتے تھے اتنی ہی قیمت کا خون اُس خاندان یا قبیلے یا قوم سے لینا چاہتے تھے جس کے آدمی نے اُسے مارا ہو، محض مقتول کے بدلہ میں قاتل کی جان لے لینے سے اُن کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے ایک آدمی کا بدلہ بیسیوں اور سینکڑوں سے لینا چاہتے تھے۔ ان کا کوئی معزز آدمی اگر دوسرے گروہ کے ادنیٰ درجہ کے آدمی نے مار دیا ہو تو وہ اس قاتل کے قتل کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ اس گروہ کا بھی کوئی ویسا ہی معزز آدمی مارا جائے یا اُس کے کوئی آدمی اُن کے مقتول پر سے صدقہ کیے جائیں۔ برعکس اس کے اگر مقتول اُن کی نگاہ میں کوئی ادنیٰ درجہ کا شخص اور قاتل کوئی زیادہ قدر و عزت رکھنے والا شخص ہوتا تو وہ اس بات کو گوارا نہ کرتے تھے کہ مقتول کے بدلہ میں قاتل کی جان لی جائے۔ اور یہ حالت کچھ قدیم جاہلیت ہی میں نہ تھی۔ موجودہ زمانہ میں جن قوموں کو انتہائی ہندب سمجھا جاتا ہے اُن کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل کی قوم کے بچپاس آدمیوں کی جان لیں گے۔ اکثر یہ خبریں ہمارے کان سے ہیں کہ ایک شخص کے قتل پر مغلوب قوم کے اتنے بیخالی گولی سے اڑائے گئے۔ اور ایک ہندب قوم نے تو اپنے ایک فرد (سرلی اسٹیک) کے قتل کا بدلہ پوری مہری قوم سے لے کر چھوڑا۔ دوسری طرف ان نام نہاد ہندب قوموں کی باضابطہ عدالتوں تک کا یہ طرز عمل رہا ہے کہ حاکم قوم کا فرد اگر قاتل اور محکوم قوم کا فرد مقتول ہو تو وہ قصاص کا فیصلہ کرنے سے گریز کرتی ہیں۔ یہی خرابیاں ہیں جن کے سدباب کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے۔ وہ

(باقی صفحہ ۱۷۵ پر)



قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خونہما ادا کرے۔ یہ پتھارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، اس پر بھی جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک سزا ہے۔ عقل و خرد رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔

رفیقہ سابقہ فرماتا ہے کہ مقتول کے بدلے میں قاتل اور صرف قاتل ہی کی جان لی جائے قطع نظر اس سے کہ قاتل کون ہے اور مقتول کون۔  
 ۱۷ بھائی کا لفظ فرما کر نہایت لطیف طریقہ سے نرمی کی سفارش بھی کر دی۔ اگرچہ تمہارے اور دوسرے شخص کے درمیان باپ مارے کا بیری سہی، مگر ہے تو وہ تمہارا انسانی بھائی، لہذا اگر اپنے ایک خطا کار بھائی کے مقابلہ میں مقام کے غصے کو پی جاؤ تو یہ تمہاری انسانیت کے زیادہ نمایاں شان ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلامی قانون تعزیرات میں قتل تک کا معاملہ قابلِ راضی نامہ ہے۔ مقتول کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قاتل کو معاف کر دیں، اور اس صودت میں عدالت کے لیے جائز نہیں کہ قاتل کی جان ہی لینے پر اصرار کرے۔ البتہ جیسا کہ بعد کی آیت میں ارشاد ہوا، معافی کی صودت میں قاتل کو خونہما ادا کرنا ہوگا۔

۱۸ "معدون" کا لفظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے، اور اس سے مراد وہ صحیح طریق کار ہے جس سے بالعموم انسان واقف ہوتے ہیں اور جس کے متعلق ہر اس شخص کا دل جس کا کوئی ذاتی مفاد کسی خاص نہ ہو وہ گواہی دیتا ہے کہ یہی حق اور انصاف ہے اور یہی مناسب طریق عمل ہے۔

دوحاشی صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲ یعنی مقتول کا وارث خونہما وصول کر لینے کے بعد پھر متقام لینے کی کوشش کرے، یا قاتل خونہما ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے اور مقتول کے وارث نے جو احسان اس کے ساتھ کیا ہے اس کا بدلہ احسان فراموشی سے لے۔

۱۹ یہ ایک دوسری جاہلیت کی تردید ہے جو پہلے بھی بہت سے دماغوں میں موجود تھی اور آج بھی بکثرت پائی جاتی ہے جس طرح اول جاہلیت کا ایک گروہ انتقام کے پہلو میں افراط کی طرف چلا گیا اسی طرح ایک دوسرے گروہ عفو کے پہلو میں تعزیر کی طرف گیا ہے اور اس نے سزائے موت کے خلاف اتنی تبلیغ کی ہے کہ بہت سے لوگ اس سزا کو نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا کے متعدد ملکوں نے اسے بالکل منسوخ کر دیا ہے۔ قرآن اسی پر اول عقل کو مخاطب کر کے تہیہ کرتا ہے کہ قصاص میں سوسائٹی کی زندگی ہے، جو سوسائٹی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان کو محترم ٹھہراتی ہے وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہے۔ تم ایک قاتل کی جان بچا کر بے گناہ انسانوں کی جانیں خطرے میں ڈالتے ہو۔

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقہ سے وصیت کرے، یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔ پھر جنھوں نے وصیت سنی اور بعد میں اُسے بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان بدلنے والوں پر ہوگا، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ البتہ جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے نے نادانستہ یا تصداق تلفی کی ہے، اور پھر معاملہ سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان وہ اصلاح کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروں پر فرض کیے گئے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔ چند مقرر دنوں کے روزے فرض

مسئلہ یعنی جن لوگوں کی خبر گیری، مدد اور خدمت وہ اپنی زندگی میں کرتا تھا، اگر وہ اپنے پیچھے اتنے وسائل چھوڑے جا رہا ہے کہ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جاسکتا ہو تو اس کو چاہیے کہ ان کے حق میں وصیت کر جائے اور اپنے وارثوں کو ہدایت کرے کہ فلاں فلاں مستحقین کے ساتھ یہ حسن سلوک کیا جائے، مگر یہ وصیت معروف طریقہ سے ہونی چاہیے، یعنی ایسے طریقہ سے جس میں کسی کے ساتھ بے انصافی اور کسی کی حقیقتی نہ ہو، جسے دیکھ کر بے غرض منقول انسان کہہ سکے۔ یہ ایک مناسب وصیت ہے۔ جب تک وراثت کے احکام نازل نہ ہوئے تھے اس وقت تک اپنے پیمانہ داروں میں وراثت کی تقسیم کے متعلق وصیت کرنا بھی مرنے والے ہی کا کام تھا۔ مگر جب وارثوں کے حقوق اللہ نے خود مقرر فرمادیے تو کسی شخص کو یہ حق باقی نہ رہا کہ وہ وارثوں کے درمیان حصوں کی تقسیم کے بارے میں کوئی وصیت کر سکے۔ البتہ وہ اپنے والدین یا دوسرے غریبوں کے لیے حسن سلوک کی عام وصیت کر سکتا ہے، یا کسی رفاہ عام کے کام میں کچھ صرف کرنے کی ہدایت کر سکتا ہے حدیث نبوی کی رو سے یہ وصیت زیادہ سے زیادہ ایک تہائی حصہ میں نافذ ہوگی۔ اس سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

۱۷ اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر رمضان کے روزوں کا حکم قرآن میں نازل ہوا مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور عظیم رعایت منسوخ کر دی گئی، البتہ صرف

(باقی صفحہ ۷۷ پر)

ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں پھر نہ رکھیں تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اسی کے لیے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں چھاپا ہی ہے کہ روزہ رکھو۔

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجیبی کتاب نازل کی گئی جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہذا اب سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اُس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینہ کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا، اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اُس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

(بقرہ صفحہ ۱۷۶) مریض، مسافر اور عاقل یا دودھ پلانے والی عورت اور ایسے بڑھے لوگوں کے لیے جن میں روزے کی طاقت نہ ہو، اسے بدستور باقی رہنے دیا گیا۔

(حواشی صفحہ ۱۷۶) ۱۷۶ یعنی ایک سے زیادہ آدمیوں کو کھانا کھلانے۔ یا یہ کہ روزہ بھی رکھے اور مسکین کو کھانا بھی کھلائے۔ ۱۷۷ یہاں تک وہ ابتدائی حکم ہے جو رمضان کے روزوں کے متعلق پہلے نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد کی آیات ایک حالت کے بعد نازل ہوئیں اور مناسبت مضمون کی وجہ سے اسی سلسلہ بیان میں شامل کر دی گئیں۔

۱۷۸ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا آدمی کے اختیار تیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ سفر میں جایا کرتے تھے ان میں سے کوئی روزہ رکھتا تھا اور کوئی نہ رکھتا تھا، اور دونوں گروہوں میں سے کوئی دوسرا پلا عرض نہ کرتا تھا۔ خود آنحضرت نے بھی کبھی سفر میں روزہ رکھا ہے اور کبھی نہیں رکھا ہے۔ اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ ایک سفر کے موقع پر ایک شخص بد حال ہو کر گر گیا اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (باقی ۱۷۸ پر)

اُداسے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھ کا تلبہ ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں، لہذا انھیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انھیں سنا دو، شاید کہ وہ راہِ راست پائیں۔<sup>۱</sup> تمہارے لیے روزے کے دنوں میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیرات کر رہے تھے، مگر اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے دگنڈہ فرمایا۔ اب، تم اپنی بیویوں کے ساتھ

(ذیقعدہ حاشیہ صفحہ ۱۷۷) یہ حال دیکھ کر دریافت فرمایا کیا معاملہ ہے عرض کیا گیا روزے سے ہے، اس پر آپ نے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے۔

۱۷ یعنی اللہ نے صرف رمضان ہی کے دنوں کو روزوں کے لیے مخصوص نہیں کر دیا، بلکہ جو رمضان میں روزے نہ رکھ سکیں اُن کے لیے دوسرے دنوں میں اُس کی قضا کر لینے کا راستہ بھی کھول دیا ہے تاکہ قرآن کی جو نعمت اس نے تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرنے کے قیمتی موقع سے تم محروم نہ رہ جاؤ۔

(حاشیہ صفحہ ۱۷۸) ۱۷ یعنی اگر تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے محسوس کر سکتے ہو تو یہ خیال مت کرو کہ میں تم سے دو دور ہوں۔ نہیں، میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض مردض کر سکتا ہے، حتیٰ کہ دلہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اُسے بھی سُن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں فیصلہ ہی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت بے اختیار تیبوں کو تم نے اپنی نادانی سے الہ اور رب قرار دے رکھا ہے اُن کے پاس تو تمہیں دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ تمہاری خدوائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں کو فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائنات بے پایاں کا فرمانروائے مطلق، تمام اختیارات و تمام طاقتوں کا مالک تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطہ اور وسیلہ اور سفارش کے براہِ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناؤنی خدا کے در پر بارے مارے پھرتے ہو۔ میں جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں اس پر لبیک کہہ کر میرا امن بکڑ لو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی و اطاعت میں آ جاؤ۔<sup>۲</sup>

۲ یعنی تمہارے ذریعے سے حقیقت حال معلوم کر کے ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اس صحیح روئے ربانی صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰

شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے اُسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ اور بیویہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے پیدا ہونے کی دھاری نمایاں نظر آجائے، تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں مشغف ہو تو بیویوں سے مباشرت

(بقیہ صفحہ ۱۷۸ کی طرف آجائیں جس میں خود انھی کی بھلائی ہے۔)

۱۷۸ یعنی جس طرح لباس اور جسم کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہ سکتا بلکہ دونوں کا باہمی تعلق و اتصال بالکل فیہ منفک ہوتا ہے اسی طرح تمہارا اور تمہاری بیویوں کا تعلق بھی ہے۔

۱۷۹ ابتداء میں اگرچہ کوئی ایسا صاف حکم نہ تھا کہ رمضان کی راتوں میں مسلمان اپنی بیویوں سے تعلق زن و شوہر کھیں لیکن لوگ اپنی جگہ ہی جگتے تھے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور پھر اس کے ناجائز یا مکروہ ہونے کا خیال دل میں یسے ہوئے بیویوں کے پاس جاتے تھے۔ یہ گویا اپنے ضمیر کے ساتھ خیانت کا ارتکاب تھا اور اس سے اندیشہ تھا کہ ایک مجرمانہ اور گناہگارانہ ذمینت گناہ پر پوش پاتی رہے گی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے اس خیانت پر تنبیہ فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہ فعل تمہارے لیے جائز ہے لہذا اب اسے برا فعل سمجھتے ہوئے نہ کرو بلکہ اللہ کی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلبہ ضمیر کی پوری طہارت کے ساتھ کرو۔

(حواشی صفحہ ۱۷۸) اسلام نے اپنی عبادات کے لیے اوقات کا وہ معیار مقرر کیا ہے جس سے دنیا میں ہر وقت ہر مرد و عورت کے لوگ ہر جگہ اوقات کا تعین کر سکتے ہیں۔ وہ گھڑیوں کے لحاظ سے وقت مقرر کرنے کے بجائے ان آثار کے لحاظ سے وقت مقرر کرتا ہے جو آفاق میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ سنا واقعہ لوگ عموماً ان اوقات کے متعلق یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ قطبین کے قریب جہاں رات اور دن کئی کئی مہینہ کے ہوتے ہیں وہاں اوقات کی تعیین کیسے چل سکے گی؟ لیکن یہ اعتراض دراصل علم جغرافیہ کی سرسری واقفیت کا نتیجہ ہے حقیقت میں نہ وہاں چھ مہینوں کی رات اُس مہینوں کی رات ہے اور چھ مہینوں کی دن جس مہینے میں ہم خط استوا کے آس پاس رہنے والے لوگ دن اور رات کے لفظ بولتے ہیں۔ خواہ رات کا دور ہو یا دن کا صبح و شام کے آثار بہر حال وہاں پوری باقاعدگی کے ساتھ اتنی پر نمایاں ہوتے ہیں اور انہی کے لحاظ سے وہاں کے لوگ ہماری طرح اپنے سونے جاگنے اور نفع کرنے کے اوقات مقرر کرتے ہیں۔ جب گھڑیوں کا رواج عام نہ تھا تب بھی قلیند، ناروسے اور گرین لینڈ وغیرہ ملکوں کے لوگ اپنے اوقات معلوم کرتے ہی تھے اور اس کا ذریعہ

(باقی صفحہ ۱۸۸ پر)

نہ کرے۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی تحدیں ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں

دیکھ صفحہ ۱۸۵) یہی افق کے آثار تھے۔ لہذا جس طرح دوسرے تمام معاملات میں یہ آثار ان کے لیے تعیین اوقات کا کام دیتے ہیں اسی طرح نماز اور سحر و انظار کے معاملہ میں بھی دے سکتے ہیں۔

۱۲ رات تک روزہ پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جہاں رات کی سرحد شروع ہوتی ہے وہیں تمہارے روزے کی سرحد ختم ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ رات کی سرحد غروب آفتاب سے شروع ہوتی ہے لہذا غروب آفتاب ہی کے ساتھ اظہار کر لینا چاہیے۔ سحر اور افطار کی صحیح علامت یہ ہے کہ جب رات کے آخری حصہ میں افق کے مشرقی کنارے پر سفید صبح کی باریک سی دھاری نظر آنے لگے تو سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور جب ن کے آخری حصہ میں مشرق کی جانب لہات کی سیاہی بند ہوتی نظر آئے تو انظار کا وقت آ جانا ہے۔

۱۳ مختلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رمضان کے آخری دس دن سجد میں گزارے اور یہ دن اللہ کے ذکر کے لیے مختص کرے۔ اس اعتکاف کی حالت میں آدمی اپنے فروری کاموں کے لیے مجھ سے باہر جاسکتا ہے مگر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو شہوانی لذتوں سے روکے رکھے۔

(حواشی صفحہ ۱۸۵) یہ نہیں فرمایا کہ ان حدوں سے تجاوز نہ کرنا، بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرحد جہاں سے معصیت شروع ہوتی ہے، اس کے آخری کناروں ہی پر گھومتے رہنا آدمی کے لیے خطرناک ہے سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی سرحد سے دور ہی رہے تاکہ بھولنے سے بھی قدم اس کے پار نہ چلا جائے۔ یہی مضمون اُس حدیث میں بیان ہوا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکل طاعت جنتی دان جہی اللہ محاسنہ فمن سرتع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ۔ عربی زبان میں جہی اُس چرگاہ کو کہتے ہیں جسے کوئی رئیس یا بادشاہ پہلک کے لیے ممنوع کر دیتا ہے۔ اس محاورے کو استعمال کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں کہ ہر بادشاہ کی ایک جہی ہوتی ہے، اور اللہ کی جہی اُس کی وہ حدیں ہیں جن سے اس نے حرام و حلال اور طاعت و معصیت کا فرق قائم کیا ہے۔ تو جو جانور اس جہی کے گرد ہی چرتا رہے گا ہو سکتا ہے کہ ایک روز وہ جہی کے اندر داخل ہو جائے۔ افسوس ہے کہ بہت سے لوگ جو شریعت کی روح سے ناواقف ہیں ہمیشہ اجازت کی آخری حدوں تک ہی جاسنے پر اصرار کرتے ہیں اور بہت سے علماء و مشائخ بھی اسی غرض کے لیے سندیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جو ان کی آخری حدیں انھیں بتایا کرتے ہیں (باقی صفحہ ۱۸۱ پر)

کے لیے بھراحت بیان کرتا ہے تاکہ وہ غلط رویے سے بچیں۔

اور تم نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ، اور نہ حاکموں کے آگے اُن کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔

ع

(بقیہ صفحہ ۱۸۰) تاکہ وہ اُس باریک خط امتیاز ہی پر گھومتے رہیں جہاں طاعت و معصیت کے درمیان محض بال بلبہ فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بکثرت لوگ معصیت اور معصیت سے بھی بڑھ کر ضلالت میں مبتلا ہو رہے ہیں کیونکہ ان باریک سرحدی خطوط کی تمیز اور اُن کے کنارے پہنچ کر اپنے آپ کو قابو میں رکھنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدے اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم یہ جانتے ہو کہ یہ مال دوسرے کا ہے تو محض اس لیے کہ اُس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے یا کسی ایسے پیش سے اس کو تم کھا سکتے ہو، اُس کا مقدم عدالت میں نہیں کرو۔ جو سکتا ہے کہ حاکم عدالت روڈا مقدمہ کے لحاظ سے وہ مال تم کو دلوادے مگر حاکم کا یہ فیصلہ اصل میں غلط بنا ہی ہوئی روڈا سے دھوکا کھا جانے کا نتیجہ ہوگا اس لیے باقاعدہ شرعی عدالت سے اس کی ملکیت کا حق حاصل کر لینے کے باوجود حقیقت میں تم اس کے جائز مالک نہ بن جاؤ گے اور عند اللہ وہ تمہارے لیے حرام ہی رہے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما انا بشر وانتم تختصمون ائی و لعل بعضکم یكون الحق یحجته من بعض فاقضی له علی نحو ما اسمع منه فمن قضیت له بشیء من حق اخیه فاما اقصی له قطعاً من الناس یعنی میں بہر حال ایک انسان ہی تو ہوں، جو سکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور اپنی حجت سے میرے سامنے اپنا حق ثابت کرو اور میں جیسی روڈا سنوں اُس کے مطابق تمہارے حق میں فیصلہ کر دوں۔ مگر یہ سمجھ لو کہ اپنے کسی بھائی کے حق میں سے اگر کوئی چیز تم نے اس طرح میرے فیصلہ کے ذریعے سے حاصل کی تو دراصل تم دوزخ کا ایک ٹکڑا حاصل کر دو گے۔